میرا عقیدہ

حضرت شاہ ولی اللہؒ[1]

سب تعریف اللہ کے لئے ہے، جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے اور درود و سلام پہنچے اس کے رسول ہمارے آقا محمد خاتم النبیین کو، اور آپ کی آل اور آپؐ کے تمام صحابہ کو۔ اس کے بعد خدائے کریم کی رحمت کا یہ محتاج احمد المدعو بہ ولی اللہ بن عبدالرحیم، اللہ تعالیٰ ان دونوں پر احسان کرے کہتا ہے کہ میں گواہ بناتا ہوں اللہ تعالیٰ کو اور فرشتوں، جنوں اور انسانوں میں سے جو بھی حاضر ہیں ان کو کہ میں خلوص دل سے اس پر اعتقاد رکھتا ہوں۔

اس عالم کا ایک صانع ہے، جو قدیم ہے، زندہ ہے، وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا اپنے وجود میں واجب ہے اور اس کا عدم ممتنع ہے۔ وہ بڑا برتر۔ کمال کی تمام صفات سے متصف اور نقص و زوال کی سب علامتوں سے پاک ہے۔ وہ ساری مخلوقات کا خالق، تمام معلومات کا عالم، سب ممکنات پر قدرت رکھنے والا اور تمام کائنات کے لئے ارادہ کرنے والا ہے۔ وہ زندہ ہے سننے والا ہے اور دیکھنے والا ہے نہ اس کے کوئی مشابہ ہے، نہ کوئی اس کے مقابلے کا، نہ کوئی اس کی ضد اور اس جیسا ہے۔ اور نہ کوئی وجود میں واجب ہونے،

---

[1] حضرت شاہ ولی اللہؒ کے رسالے "حسن العقیدہ" کا یہ اردو ترجمہ ہے اس رسالے میں حضرت شاہ صاحب نے اپنا عقیدہ بیان فرمایا ہے۔ (مدیر)

عبادت کا مستحق ہونے، اور خلق اور تدبیر میں اس کا شریک ہے۔

عبادت یعنی آخری حد کی تعظیم کا اس کے سوا اور کوئی مستحق نہیں۔ اس کے سوا نہ کوئی مریض کو شفا دیتا ہے نہ کوئی رزق دیتا ہے اور نہ تکلیف دور کرتا ہے اور یہ اس معنی میں کہ جب وہ کسی چیز کو کہتا ہے کہ ہوجا تو وہ ہوجاتی ہے نہ کہ ظاہری و عادی سبب کے معنی میں، جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ طبیب نے مریض کو شفا دی اور امیر نے فوج کو رزق دیا۔ چنانچہ یہ اس سے ایک الگ چیز ہے اگرچہ دونوں کے الفاظ ایک سے ہیں۔ نہ اس کا کوئی مددگار ہے نہ وہ کسی اور میں حلول کرتا ہے اور نہ وہ کسی اور سے متحد ہوتا ہے۔ اس کی ذات کے ساتھ کوئی حادث یعنی زوال پذیر چیز قائم نہیں۔ اور نہ اس کی صفات میں حدوث و زوال ہے، البتہ حدوث و زوال اس تعلق میں ہے، جو صفات اور ان سے متعلقات میں ہے، جس سے کہ افعال کا ظہور ہوتا ہے بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ یہ تعلق بھی حادث نہیں حادث وہ متعلقات ہیں چنانچہ متعلقات میں تفاوت سے تعلق کے احکام میں تفاوت رونما ہوتا ہے۔

وہ ہر جہت سے حدوث و تجدّد سے پاک ہے نہ وہ جوہر ہے، نہ عرض اور نہ جسم وہ کسی مکان میں نہیں اور نہ کسی جہت میں، اس کی طرف اشارہ نہیں کیا جا سکتا کہ وہ یہاں ہے یا وہاں، نہ اس کی طرف حرکت، نقل و انتقال، اس کی ذات و صفات میں تغیر و تبدل اور جہل و کذب منسوب کرنا صحیح ہے۔ وہ عرش کے اوپر ہے[1]۔ جیسا کہ خود اس نے اپنے بارے میں بیان کیا ہے، لیکن اس کا عرش کے اوپر ہونا کسی مکان یا کسی جہت میں ہونے کے معنی میں نہیں۔ اس کے عرش کے اوپر ہونے یا عرش پر استوآی کی حقیقت و کنہہ یا تو خود اللہ تعالےٰ جانتا ہے یا وہ راسخین فی العلم، جنہیں اس نے اپنے پاس سے علم عطا کیا ہے۔

قیامت کے دن دو اعتبار سے مومنین اللہ تعالےٰ کو دیکھیں گے۔ ایک یہ کہ وہ ان پر یوں پوری طرح منکشف ہو کہ یہ انکشاف اس کو عقلی طور پر تصدیق کرنے سے زیادہ ہو۔ گویا کہ انہوں نے اسے آنکھ سے دیکھ لیا۔ لیکن اُس کا یہ دیکھنا اِس طرح نہیں کہ وہ برابر میں ہے یا سامنے ہے یا کسی

---

[1] اشارہ ہے قرآن مجید کی اس آیت کی طرف الرحمٰن علی العرش استوآی

جہت میں ہے۔ یا اس کا کوئی رنگ یا شکل ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اس طرح کی رؤیت کے معتزلہ اور دوسرے بھی قائل ہیں اور یہ حق ہے۔ البتہ ان کی غلطی یہ ہے کہ اس اعتبار سے جو رؤیت ہو گی وہ اس کی تاویل کرتے ہیں۔ یا رویت باری تعالیٰ کو وہ صرف اسی معنی میں حصر کر دیتے ہیں۔

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کو مومنین دوسرے اعتبار سے یوں دیکھیں گے کہ وہ ان کے سامنے بہت سی صورتوں میں متمثل ہوگا۔ جیسا کہ سنت میں مذکور ہے، پس وہ اسے اپنی آنکھوں سے مختلف شکلوں اور رنگوں میں اور اپنے روبرو یوں دیکھیں گے، جس طرح حالتِ خواب میں ہوتا ہے۔ اس بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث ہے، جس میں آپؐ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے رب کو بہترین صورت میں دیکھا۔ غرض مومنین دوسری دنیا میں اللہ کو بالمشافہ دیکھیں گے جب کہ وہ اس دنیا میں اسے خواب میں بھی نہیں دیکھتے۔ اللہ تعالیٰ کی رؤیت کے یہ دو اعتبارات ہیں، جنہیں ہم سمجھتے ہیں، اور ان پر اعتقاد رکھتے ہیں اور اگر اللہ اور اس کے رسولؐ کے نزدیک ان کے سوا کوئی اور رویت ہے تو اس سے اللہ تعالےٰ اور اس کے رسولؐ کی جو مراد ہو، ہم اس پر ایمان لاتے ہیں اگرچہ ہم اس کی حقیقت سے لعینہ واقف نہیں۔ اور یہ اس لئے کہ اللہ جو چاہتا ہے، ہوتا ہے، اور جو وہ نہیں چاہتا وہ ہرگز نہیں ہوگا۔ جہاں تک کفر اور گناہوں کا تعلق ہے تو وہ اس کی تخلیق میں اور اس کے ارادے سے ہیں لیکن وہ ان سے راضی نہیں وہ بے نیاز ہے اور نہ اپنی ذات میں اور نہ اپنی صفات میں کسی چیز کا محتاج ہے۔ اس پر کوئی حاکم نہیں اور نہ کسی غیر کی طرف سے اس پر کوئی چیز واجب ہوتی ہے۔ ہاں وہ ایک چیز کا وعدہ کرتا ہے اور پھر اس وعدے کو پورا کرتا ہے جیسے کہ وارد ہوا ہے اور اللہ جو وعدہ کرتا ہے، تو یہ وعدہ اللہ کی ضمانت ہو جاتا ہے۔

اللہ کے تمام افعال حکمت اور کلی مصلحت کے مقتضی ہیں، لیکن وہ حکمت اور کلی مصلحت، جس کا کہ اُسے علم ہے۔ اس پر واجب نہیں کہ وہ کسی خاص کے ساتھ لازماً جزوی مہربانی کرے یا کسی خاص کو فائدہ پہنچائے۔ اس سے کوئی برائی صادر نہیں ہوتی اور جو کچھ وہ کرتا یا جو وہ حکم دیتا ہے، وہ ظلم اور جور کی طرف منسوب نہیں ہوتا۔ جو کچھ وہ پیدا کرتا، اور جو وہ اوامر دیتا ہے اس میں وہ حکمت کو ملحوظ رکھتا ہے۔ وہ اس لئے نہیں پیدا کرتا اور حکم دیتا کہ وہ کسی چیز کے ذریعہ اپنی ذات اور صفات کی تکمیل کرے

اور یہ کہ اس کی کوئی حاجت اور غرض ہے کیونکہ یہ تو کمزوری اور خرابی کی بات ہوتی۔

اللہ کے سوا اور کوئی فیصلہ کرنے والا اور حکم دینے والا نہیں۔ اشیاء کے حُسن و قبح کے تعین اور افعال کے موجبِ ثواب و عذاب ہونے کے بارے میں عقل کے ہاتھ میں فیصلہ نہیں۔ درحقیقت اشیاء کا حسن و قبح اللہ تعالےٰ کے فیصلے اور حکم اور اس کی طرف سے لوگوں کو ان اشیاء کا مکلّف بنانے پر ہے پس ان میں سے بعض اشیاء ایسی ہوتی ہیں کہ عقل انکے حسن و قبح کی وجہ اور مصلحت اور ان کی ثواب و عذاب سے مناسبت پالیتی ہے، اور بعض ایسی ہوتی ہیں کہ ان کے حسن و قبح اور موجبِ ثواب و عذاب کا علم پیغمبروں ہی کے ذریعہ ہوتا ہے، جو اللہ تعالےٰ کی طرف سے ان کے بارے میں خبر دیتے ہیں۔

اللہ کی صفات میں سے ہر صفت اس کی ذات کے ساتھ ایک ہے اور وہ تعلق اور تجدد کے اعتبار سے بے نہایت ہے۔ اور اس کا یہ تعلق ان معنوں میں ہے جو اوپر گزرے[1]۔ اللہ تعالےٰ کے لئے فرشتے ہیں بڑے مرتبے والے اور مقرّب۔ اور ایسے فرشتے ہیں جن کے ذمے انسانوں کے اعمال کا لکھنا، کسی بندے کو ہلاکتوں سے بچانا اور بھلائی کی طرف دعوت دینا ہے اور یہ فرشتے بندوں کے ساتھ بھلائی کرتے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کا ایک معین درجہ ہے، اور اللہ کی طرف سے جو انہیں احکام ملتے ہیں، ان میں وہ اس کی نافرمانی نہیں کرتے اور جو انہیں حکم دیا جاتا ہے اسے بجا لاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں سے شیاطین بھی ہیں اور ان میں سے ابن آدم کو شر پہنچتا ہے۔

قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور اللہ تعالےٰ نے ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اسے بذریعہ وحی اتارا۔ (اور جیسا کہ قرآن مجید میں ہے) وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَن يُكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا

---

[1] شروع مضمون میں ہے۔ "نہ اس کی ذات میں اور نہ اس کی صفات میں حدوث و زوال ہے۔ البتہ حدوث و زوال اس تعلق میں ہے، جو صفات اور ان سے متعلقات میں ہے جس سے کہ افعال کا ظہور ہوتا ہے۔۔۔۔"

اَوْ مِنْ وَّرَاۗءِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَاۗءُ - کسی آدمی کے لئے ممکن نہیں کہ خدا اس سے بات کرے مگر الہام (کے ذریعہ) سے یا پردے کے پیچھے سے یا اس کی طرف رسول بھیجے جو اللہ کے حکم سے جو وہ چاہے اسے وحی پہنچائے۔" یہ ہے وحی کی حقیقت۔

اللہ تعالےٰ کے اسمار اور اس کی صفات میں الحاد جائز نہیں اور شرع نے اسمار و صفات کی جو حدیں مقرر کی ہیں، ان پر رُک جانا چاہیئے۔ موت کے بعد جسم کے ساتھ لوٹنا (معادِ جسمانی) حق ہے، قیامت کے دن جسم اکٹھے ہوں گے اور ان میں ارواح لوٹائی جائیں گی اور یہ جسم ویسے ہی ہوں گے جیسے کہ شرعاً و عرفاً تھے اگرچہ یہ لمبے یا چھوٹے ہوں گے جیسا کہ حدیث میں وارد ہوا ہے کہ کافر کا دانت اُحد پہاڑ کے برابر ہوگا اور اہل جنت کے بیان میں حدیث میں وارد ہوا ہے کہ ان کے جسم زیادہ لطیف ہوں گے ایسے ہی جیسے ایک بچہ وہی بچہ ہوتا ہے خواہ وہ (آگے چل کر) جوان اور بوڑھا ہو جائے اور اس کے جسم میں ہزار تبدیلیاں ہوں۔

جزا و سزا، حساب، صراط اور میزان سب حق ہیں اور جنت و دوزخ حق ہیں اور وہ دونوں آج بھی مخلوق و موجود ہیں۔ البتہ نصِّ شرعی نے ان کی جگہ کا تعین بالصراحت نہیں کیا بہرحال وہ وہیں ہیں جہاں اللہ تعالیٰ انہیں چاہتا ہے۔ اور ظاہر ہے ہم اللہ تعالےٰ کی تخلیق اور اس کے جہانوں کا احاطہ نہیں کر سکتے۔

ایک مسلمان خواہ وہ کبیرہ گناہ کا مرتکب ہو، ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں نہیں رہے گا اس کے بارے میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَاۗىِٕرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ اگر تم کبیرہ گناہوں سے بچو گے، جن سے تمہیں منع کیا گیا ہے تو ہم تمہاری تقصیریں معاف کر دیں گے اور یہ تقصیروں کی معافی نماز کے ذریعہ ہوتی ہے[1]

---

[1] یہ اشارہ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کی طرف　(باقی حاشیہ دوسرے صفحے پر)

کبیرہ گناہوں کا کفّارہ یعنی وہ اعمال جن سے یہ معاف ہو جایئں، جائز ہے، لیکن اللہ تعالےٰ کے افعال دنیا اور آخرت میں دو طرح پر ہوتے ہیں۔ ایک اللہ کی سنت کے موافق اور دوسرے خرق عادت کے طور پر یعنی عام عادت و معمول کے خلاف۔ اور جو شخص بلا توبہ کے مرجائے اس کے کبیرہ گناہوں کا خرق عادت کے طور پر معاف ہو جانا جائز ہے۔ اسی طرح جس شخص کے ذمّے لوگوں کے حقوق ہوں اور وہ بلا توبہ کے مرجائے تو ان حقوق کا خرق عادت کے طور پر معاف ہونا جائز ہے۔ چنانچہ اس طرح (کبیرہ گناہوں کی معافی کے بارے میں) بہ نظر ظاہر نصوص میں جو تعارض پایا جاتا ہے اس میں باہم مطابقت ہو جاتی ہے۔

شفاعت حق ہے اس شخص کے لئے جسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے شفاعت کی اجازت دی جائے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی اپنی امت کے کبیرہ گناہوں والوں کے لئے شفاعت حق ہے اور آپؐ کی شفاعت قبول کی جائے گی۔ جہاں شفاعت کی نفی کا ذکر آیا ہے تو اس سے مراد وہ شفاعت ہے جو اللہ تعالےٰ کی اجازت اور اس کی رضامندی کے بغیر ہو۔

فاسق کے لئے عذاب قبر اور مومن کے لئے قبر کا آرام حق ہے۔ قبر میں مردے سے منکر و نکیر کا سوال کرنا حق ہے۔ مخلوق کی طرف رسولوں کا مبعوث کیا جانا حق ہے بندوں کو رسولوں کی زبان

بقیہ حاشیہ) ارایتم لو ان نھراً بباب احدکم یغتسل فیہ کل یوم خمساً ھل یبقی من درنہ شئ قالوا لا یبقی من درنہ شئ قال فذلک مثل الصلوات الخمس یمحو اللہ بھن الخطایا۔ (ترجمہ) حضرت ابوہریرہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم دیکھو کہ تم میں سے کسی کے دروازے کے قریب سے نہر بہہ رہی ہے اور وہ اس میں روزانہ پانچ بار نہاتا ہے، تو کیا اس پر کوئی میل رہ جائیگی۔ صحابہ نے کہا کہ اس پہ کوئی میل نہیں رہے گی۔ آپ نے فرمایا کہ اس کی مثال پانچ نمازوں کی ہے۔ جن کے ذریعہ اللہ خطاؤں کو مٹا دیتا ہے۔

سے اوامر و نواہی کا مکلّف کیا جانا حق ہے۔ یہ رسول بعض امور میں جو ان کے سوا مجموعی طور سے دوسروں میں نہیں پائے جاتے، ممتاز ہوتے ہیں اور یہی اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ وہ انبیاء ہیں۔ ان میں سے ایک ان سے خرقِ عادات واقعات کا رونما ہونا ہے۔ اور ایک اُن کی سلامتی فطرت اور اخلاق میں کامل ہونا وغیرہ ہے۔ انبیاء کفر، جان بوجھ کر کبیرہ گناہوں کے ارتکاب اور چھوٹے گناہوں پر اصرار کرنے سے معصوم ہوتے ہیں اور اللہ تعالےٰ انہیں تین طریقوں سے محفوظ رکھتا ہے۔ ایک تو یہ کہ وہ انہیں فطرت کی سلامتی اور اخلاق میں کمال اعتدال پر پیدا کرتا ہے۔ چنانچہ وہ گناہوں کی طرف رغبت نہیں کرتے بلکہ وہ ان سے متنفر رہتے ہیں دوسرے یہ کہ انہیں وحی سے بتایا جاتا ہے کہ گناہوں پر عذاب ہوگا اور طاعات کا ثواب ملے گا اور یہ چیز ان کے لئے گناہوں سے روکنے والی ہوتی ہے۔ اور تیسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ ان کے اور گناہوں کے درمیان بعض لطیف غیبی چیزیں حائل کر دیتا ہے جیسے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے قصے میں حضرت یعقوب علیہ السلام کا اس طور ظاہر ہونا کہ وہ گویا اپنی انگلی کاٹ رہے ہیں۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلّم خاتم النبیین تھے۔ آپؐ کے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا اور آپؐ کی دعوت تمام انس اور جن کے لئے عام ہے۔ آپؐ اس اعتبار سے اور اسی طرح کے بعض دوسرے اعتبارات سے تمام انبیاء سے افضل ہیں۔ اولیاء جو اللہ اور اس کی صفات پر ایمان لانے والے اور ان کے عارف ہیں اور اپنے ایمان میں درجۂ احسان پر فائز ہیں، ان کی کرامات حق ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کرامات سے جسے چاہتا ہے، سرفراز فرماتا ہے اور اپنی رحمت سے جسے چاہتا ہے مختص کرتا ہے اس نے عشرہ مبشرہ[1]، فاطمہ، خدیجہ، عائشہ حسن اور حسین رضی اللہ عنہم کے بارے میں جنت اور

---

[1] عشرہ مبشرہ مندرجہ ذیل دس صحابہ کرام ہیں۔

حضرت ابو بکر۔ عمر، عثمان، علی، طلحہ، زبیر، عبدالرحمٰن بن عوف۔ سعید بن وقاص، سعید بن زید، اور عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہم

نیکی کی شہادت دی - ہم ان کی عزت کرتے ہیں اور اسلام میں ان کا جو اونچا مقام ہے، اس کا اعتراف کرتے ہیں اسی طرح اہل بدر، اور اہل بیعت رضوان کا بھی -

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ابو بکر صدیق رضی امام حق ہیں ان کے بعد عمر رض پھر عثمان رض اور ان کے بعد علی رض - پھر خلافت ختم ہوگئی اور اس کے بعد سخت گیر بادشاہی تھی - رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے افضل ابو بکر رضی اللہ عنہ ہیں - ان کے بعد عمر رضی اللہ عنہ پھر عثمان رضی اللہ عنہ - افضلیت سے ہماری مراد تمام جہت سے افضلیت نہیں کہ اس کے تحت نسب، شجاعت، قوت، علم اور اس جیسی اور چیزیں بھی آ جائیں، بلکہ یہ افضلیت اسلام میں ان کی زیادہ سے زیادہ نفع رسانی کی بنا پر ہے - اس امت کے امیر نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کے دو وزیر ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما ہیں باعتبار اشاعت حق میں اپنی عظیم ہمت کے اور یہ اس لئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دو رخ تھے - آپ کا ایک رخ اللہ تعالیٰ کی طرف تھا کہ اس سے اخذ (وحی) کرتے تھے - اور آپ کا دوسرا رخ خلق کی طرف تھا کہ اسے عطا کرتے تھے اب حضرت ابو بکر رض و حضرت عمر رض دونوں کا خلق کو عطا کرنے، لوگوں کو مانوس اور ان کو جمع کرنے اور حرب و ضرب کا انتظام کرنے میں بہت زیادہ ہاتھ تھا -

ہم صحابہ رض کا ذکر خیر سے کرتے ہیں وہ ہمارے امام اور دین میں ہمارے پیشوا ہیں - ان کو برا بھلا کہنا حرام اور ان کی تعظیم کرنا واجب ہے - ہم اہل قبلہ میں سے کسی کی تکفیر نہیں کرتے، سوائے اس کے کہ اس سے کوئی ایسی بات ہو، جس سے اللہ تعالیٰ صانع و مختار اور قادر کی نفی ہوتی ہو یا غیر اللہ کی عبادت ہو، یا مرنے کے بعد جی اٹھنے (معاد) اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نیز دین کی اور ضروریات کا انکار ہوتا ہو -

امر بالمعروف یعنی نیک کاموں کا حکم کرنا اور نہی عن المنکر یعنی برے کاموں سے روکنا واجب ہے اس کی شرط یہ ہے کہ یہ فتنے اور گڑ بڑ کا موجب نہ ہو اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے وقت گمان یہ ہو کہ یہ قابل قبول ہوگا -

پس یہ ہے میرا عقیدہ۔ اور میں اس عقیدے کے ذریعے اللہ تعالےٰ کو ظاہراً و باطناً مانتا ہوں۔

آخر میں سب تعریف اللہ کے لئے ہے اوّل میں، آخر میں، ظاہر میں اور باطن میں اے رب! مجھے حشر کے دن ان اطاعت گزاروں کے زمرے میں اٹھائیو جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایمان لائے۔ اللہ تعالیٰ کی دعا و سلامتی ہو آپؐ پر جو سب مخلوقات سے بہتر ہیں، آپؐ کی آل پر، آپؐ کے صحابہؓ پر اور ان سب پر جو اُن کی متابعت کریں۔ اور اللہ ہی سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔

لفظ عقل کا استعمال عموماً دو طرح پر آیا کرتا ہے۔ (۱) عقل مطبوع۔ یہ وہ نور فطرت ہے، جو انسان کی خلقت کے ساتھ ہی خداوند کریم کی طرف سے ودیعت کی جاتی ہے۔ یہ نور فطرت مختلف لوگوں میں ایک ہی درجہ پر موجود نہیں ہوتا۔ (۲) عقل مسموع یعنی وہ نورِ علم جو انسان بذریعہ تعلیم و تعلم حاصل کرتا ہے۔ اور جو تجربہ و مشاہدہ سے زیادہ کیا جا سکتا ہے کیونکہ جس قدر تجربہ و مشاہدہ زیادہ وسیع ہوگا، اسی قدر نور عقل زیادہ ہوگا۔ عقل مطبوع کم و بیش نہیں ہو سکتی اور عقل مسموع یعنی نور علم کے متعلق احادیث نبوی میں اشارہ آچکا ہے۔ چنانچہ نور فطرت کے متعلق یوں آیا ہے "ما خلق اللہ خلقاً اکرم علیہ من العقل" یعنی خدا نے عقل سے بڑھ کر کوئی گرامی تر مخلوق پیدا نہیں کی۔ کیونکہ حقائقِ موجودات اور اسرار و معارف کے حاصل کرنے کا اصلی منبع یہی نور فطرت ہے۔

(مولانا اصغر علی روحی مرحوم)